

خلافت: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟

پہلا سوال یہ ہے کہ خلافت ہے کیا؟ دیکھئے قرآن و سنت کی تعلیمات و احکامات اگر صفحات قرآن و کتب احادیث تک محدود رہیں تو ان کی حیثیت محض ایک نظریہ، ایک فلسفہ، ایک تھیوری کی ہے۔ ان کو ضابطہ حیات کام بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ جب یہ ضابطہ حیات جو خوش قسمتی سے آج بھی ہمارے ہاں اپنی اصلی حالت میں موجود ہے کسی خطہ زمین میں نافذ ہو کر نظام کی شکل اختیار کر جائے تو یہی خلافت نظام خلافت یا قرآن و سنت پر مبنی نظام ہوتا ہے۔ اگر میں اس بات کو تھوڑا سا اور کھولوں تو بات دراصل قانون کی ہے۔ جس کے قانون پر عمل درآمد ہوگا حکومت اسی کی ہوگی۔ اگر نظام قرآن و سنت کے احکامات پر مبنی ہوگا تو اسے خلافت کہتے ہیں۔ ہے تو پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکومت، لیکن جب کہ باقی کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکومت براہ راست ہے زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت اپنی ایک مخلوق یعنی انسان کے ذریعہ سے چلانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس کا امام اس لئے خلافت ہے کہ اس کا حکم یعنی اللہ تعالیٰ غیب میں ہے حکومت چلتی ہے تو اس کے نمائندے یعنی انسان کے ذریعہ سے۔ نظام اگر کسی فرد واحد کے بنائے گئے قوانین پر مبنی ہوگا تو اسے آمریت کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر کسی فرقے، طبقے یا گروہ کے خود ساختہ قوانین پر مبنی ہوگا تو اسے اشتراکیت کہتے ہیں۔ اگر تمام جمہور یعنی عوام مجز جائیں اور ان کی مت اس قدر ماری جائے کہ وہ اپنی خواہشات و مفادات پر مبنی امام نہاد یعنی کتابچے لکھ کر ان کے مطابق نظام اختیار کر لیں تو اسے جمہوریت کہتے ہیں۔ بڑی تقسیم دو طرح کی ہوئی۔ خلافت اللہ کے قوانین پر مبنی تو جمہوریت آمریت اور اشتراکیت وغیرہ انسان ساختہ قوانین پر مبنی۔ خلافت عبادت ہے تو جمہوریت آمریت اشتراکیت وغیرہ بغاوت، ظلم، فسق، شرک اور بنامریں حرام ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر اتار تے وقت تاکید کر دی تھی کہ وہاں پر جا کر میری ہدایت و قوانین

کے مطابق زندگی گزارنا۔ باغیانہ و شرکانہ رویہ اختیار کرو گے تو ایسی آگ میں ڈالے جاؤ گے جو بجھنے والی نہیں۔ قرآن میں آیا:

”اور ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر میری طرف سے جو ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اسے قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (بقرہ: 39)

تو یہ سب اس سوال کا جواب کہ خلافت کیا ہے؟ کرہ ارض پر انسانوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکومت۔

قرآن و سنت کی روشنی میں ظاہر ہے جیسے کہ اوپر دلیل سے ذکر ہوا، جمہوریت حرام ہے۔ لیکن کچھ جمہوریت پرور علماء تک اس کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں شینشاہیت وغیرہ ہوتی تھی اور فرواد کا قانون چلتا تھا۔ ایسی آمریت سے چھٹکارا حاصل کیا گیا تو حکومت میں عوام کی شرکت سے یعنی آمریت کو جمہوریت کی شکل دی گئی جس سے کہ لوگوں نے نافیہ کا سانس لیا اور چونکہ اسلام بھی عوام کو حکومتی مشوروں میں شامل کرتا ہے لہذا ان کی تعبیر کے مطابق جمہوریت جائز ہے۔ یہ تعبیر جیسے کہ عیاں ہے اتنی بے سرو پا ہے کہ اس کو ایک محاورے میں بیان کیا جائے تو یوں کہ: گرا آسمان سے تو اٹکا کھجور میں۔ یہ جمہوریت پال علماء جو ش مؤقف پرستی میں بھول گئے کہ مروجہ جمہوریت کی بنا لوگوں کی اکثریت کے اصول پر مبنی ہے جب کہ قرآن بار بار اللہ تعالیٰ کے اس ضابطے کو دہراتا ہے کہ ”لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے۔“ اسلام نے اسی لئے ہر بالغ فرد ایک ووٹ کے شیطانی اور جاہلانہ اصول پر مبنی طرز انتخاب کو اختیار نہیں کیا۔ حق انتخاب صرف مسلمانوں کو دیا اور ان میں سے بھی ارباب حل و عقد اور اہل دانش کو جو پہلے ہی ایسی پوزیشنوں پر متمکن ہوں جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہیں۔

دوسرا سوال ہے کہ آخر خلافت ہی کیوں؟ دیکھئے ہر حقوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح و عبادت میں مصروف ہے۔ قرآن میں آیا ”ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ

زیر دست اور حکیم ہے۔“ اب ظاہر ہے سورج کے ہاتھ میں کوئی تسبیح تو نہیں۔ پانی کسی جائے نماز پر
 عبادت تو نہیں۔ اصل میں ہر حقوق کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کام دے رکھا ہے۔ سورج کو روشنی و
 گرمی پہنچانے کا کام دے رکھا ہے تو پانی کو پیاس بجھانے اور زندگی کا حصہ بننے کا۔ ہر حقوق ازل تا
 ابد اسی کام میں مصروف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا ہے اور یہی اس کی عبادت ہے۔
 انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک کام دے رکھا ہے اور وہ کام یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت یا
 باعظاظ دیگر خلافت قائم کرے۔ بلکہ قرآن مجید پتہ دیتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ
 بنانے کا ارادہ کیا تو پیشکش ہونے پر دوسری کئی جھوٹاتو قسم گئیں اور ایسی ذمہ داری لینے سے
 معذرت کر لی انسان نے اسے قبول کر لیا (احزاب: 72) یعنی دوسری جھوٹات کو تو جو کام ملا ”بائی
 چانس“ ملا انسان کو ملا تو ”بائی چانس“ یعنی اس حقوق نے یہ کام کرنے کی ذمہ داری خود لی۔ انسان
 کو الہیت یہ بڑی ذمہ داری نبھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام سہولیات اور صلاحیتیں دیں جو اس
 کام کو سرانجام دینے کے لئے لازمی تھیں۔ صوابدیدی اختیارات دیئے تو اسی لیے اور بولنے سمجھنے
 ارادہ کرنے فیصلہ کرنے وغیرہ کی صلاحیتیں دیں تو اسی لیے۔ پھر جیسے کہ اوپر ذکر ہوا اللہ تعالیٰ نے
 انسان کو عین زمین پر بھیجے وقت تاکید کی کہ وہاں جا کر میری ہدایات کو اپنانا، انحراف کیا تو سزا ہوگی
 (بقرہ: 38-39)۔ تو خلافت کی اہمیت اس سے اور کیا زیادہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کام انسان کو دیا
 ہے وہ یہی خلافت قائم کرنے کا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری انسانی تاریخ پر اپنے قوانین و قانوقائمازل کرتا رہا اور جو
 نبی بھی اس دنیا میں آیا اس نے آتے ہی بندوں کے خود ساختہ قوانین کو اللہ کے عطا کردہ قوانین
 سے بدلنے کی سعی کی۔ کسی نبی نے مروجہ معاشرے کی پیروی نہیں کی اس نے انتظام کیا اور پھر
 معاشرے کو اپنے پیچھے لگایا۔ خلافت کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے خود رسول ﷺ کو پہلی وحی
 تو تعارفی تھی دوسری وحی میں ہی دو رہنمائی میں کرنے کا پورا پروگرام دے دیا۔ فرمایا: ”اے اوزھ
 لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور نہ دار کرو اور اپنے رب کی کبریائی کو قائم کرو“ (3-1:74) یہ وحی سات
 آیات پر مشتمل ہے۔ ساتویں آیت میں یہ بھی مطلع کر دیا کہ یہ جان جو کھوں کا کام ہے مشکلات و

مصائب سے واسطہ پڑے گا۔ لہذا فرمایا ”اپنے رب کی خاطر صبر کرو“ رسول ﷺ نے بھی اللہ کی کبریائی کو قائم کرنے کے کام کو اسی بنجیدگی سے لیا جس بنجیدگی اور اولیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ پورے دور نبوت کا ایک ایک لمحہ اسی کام کی تکمیل میں لگا دیا۔ گو نمازیں بھی پڑھیں، روزے بھی رکھے، جہاد و قتال بھی کیا، ہجرت بھی کی لیکن یہ سب ذرائع تھے منزل جو تھی تو قیام خلافت یا اللہ کی کبریائی و حکومت کا قائم کرنا۔ نتیجہ نکلا تو یہ کہ رسول ﷺ دنیا میں آئے تھے تو وہاں پر دور جہالت تھا، اس دنیا سے تشریف لے گئے تو دور خلافت تھا۔ کیا حاصل ہوا دور نبوت کا؟ بس قیام خلافت یا اس کام کی تکمیل جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سپرد کیا تھا۔

ہمارے اس دور میں خلافت کی اہمیت ایک اور لحاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ دیکھیں جو دین رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے اس میں خلیفہ المسلمین کا وجود تھا آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ اس دین میں اولی الامر کا وجود تھا۔ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں ہے اس لئے کہ اولی الامر میں خلیفہ المسلمین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو آج خود نہیں۔ سپرد کردہ دین میں شوریٰ کا وجود تھا آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ خلیفہ المسلمین شوریٰ کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی کو تو مشورہ دینا ہوتا ہے لیکن آج خلیفہ المسلمین ہمارے ہاں خود نہیں۔ آج تو ہمارے ہاں امت کا وجود بھی نہیں۔ عرصہ ہوا امت مسلمہ اقوام میں بٹ چکی جو متحارب گروہوں کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ قرآن پڑھتا ہے کہ اسلام میں ان چاروں اداروں کی بنیادی اور کلیدی حیثیت ہے۔ قرآن مجید خلیفہ کا ہونا بھی لازمی قرار دیتا ہے (بقرہ: 30) تو اولی الامر کا ہونا بھی (نساء: 59) شوریٰ بھی قرآنی تھا خاضا ہے (شوریٰ: 38) تو امت کا ہونا بھی (آل عمران: 110) یہ چاروں قرآنی ادارے جس حق یا نظام خلافت کے بنیادی ستون ہیں۔ البتہ موجود ہوتے ہیں تو اس وقت جب نظام خلافت موجود ہو، نظام خلافت کی عدم موجودگی میں جیسے کہ آج ہمارے ہاں ہے معدوم ہو جاتے ہیں۔

ایک ہال کی چار دیواریں ہوتی ہیں۔ اگر آپ ایک کو گرا دیں تو ہال پنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا، اور ایک کا کیا اگر آپ دوسری تیسری چوتھی یعنی چاروں دیواروں کو گرا دیں تو چھت فرش

پر آگرتا ہے۔ اور دیکھنے والے کو تھرا نظر آتا ہے جو اس کا پتہ دیتا ہے کہ کبھی یہاں پر کوئی عالمی شان بلند تک تھی۔ آج ہمارا اختیار کردہ دین جو چاروں قرآنی اداروں سے محروم ہے یہ تو پتہ دیتا ہے کہ ہمارے ہاں کبھی عالمی شان دین تھا البتہ اس کے ساتھ یہ بھی پتہ دیتا ہے کہ آج ہمارا اختیار کردہ دین ناقص، نامکمل، بے روح، بے جان اور صد حیف بے بدئی کی ایک شکل ہے اس کی حالت ایسی ہو چکی کہ:

وَلَمْ يَأْتِ بِلِ آسٍ دَر حِمَرَتِ اِنْدَاخْت

خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے اختیار کردہ دین سے ہمیں وہ فوٹوش و برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو دور خلافت راشدہ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں۔ تو دوسرے سوال کا مختصر جواب یہ کہ خلافت ہو تو دین ورنہ بے بدئی۔

اب رہ گیا تیسرا سوال کہ نظام خلافت آج قائم کیسے؟ اس کا جواب قدرے لمبا ہے۔ البتہ ہم یہاں پر اس کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں۔ دیکھئے آج کی دنیا میں اقتدار حاصل کرنے کے چار طریقے رائج ہیں۔ پہلا طریقہ یہ کہ ایک بڑا گروپ ایک چھوٹے لیکن حامل اقتدار گروہ پر حاوی ہو کر اسے پرے کرنا ہے اور خود اقتدار پر قابض ہو جانا ہے۔ فوج کا سونپین پر حاوی ہونا اسی طریقے کا مظہر ہے۔ بہت سی اقوام ایک کے بعد دوسری دوسری کے بعد تیسری و ربط ایشیاء سے آ کر ہندوستان میں موجود کمزور اقوام پر اسی طرح حاوی ہو کر اقتدار پر قابض ہوتی رہیں یعنی ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وغیرہ۔ اقتدار حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ سازش کا ہے۔ کچھ لوگ زیر زمین تیاری کر کے بالآخر چھپنا مارتے ہیں۔ پھر تخت یا تختہ۔ تیسرا طریقہ سرایت پاؤر کو بروئے کار لا کر اقتدار پر قبضہ کرنے کا ہے۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس اسی کی مثالیں ہیں۔ چوتھا طریقہ مقتدر بننے کا بذریعہ ووٹ ہے جو زیادہ ووٹ حاصل کرنے کی حکمت اس کی۔ انبیاء نے ان چاروں طریقوں میں سے کوئی بھی اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نصرت کو بروئے کار لا کر انقلاب برپا کیا۔ اسلامی انقلاب لانے والے ہمیشہ نہ صرف قلت میں ہوتے ہیں

تہی دست اور بے ساز و سامان بھی ہوتے ہیں۔ ان کے مخالفین کے پاس البتہ وسائل کی فراوانی ہوتی ہے۔ ان کے پاس تو افرادی قوت، اسلحہ، سرمائے غرضیکہ ہر وسیلے کی ریل پیل ہوتی ہے۔ وہ ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کرتے کہ کوئی آئے اور ان کے جھے بجائے نظاموں کو ٹپٹ کر دے۔ وہ آخری دم تک مزاحمت کرتے ہیں اور اس مزاحمت میں ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ بنا بریں اسلامی نظام لانے والوں یا نظام خلافت قائم کرنے والوں کو بے پناہ مشکلات و مصائب سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایک ہی طریقہ سے فاتح ہو سکتے ہیں کہ مخالفین کی طاقت کے مقابلے میں کسی ایسی طاقت کو اپنے شامل حال کریں کہ جس کے مقابلے میں دنیا کے نظاموں کے حاملین کی طاقت قبیح ہو۔ ظاہر ہے یہ طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقت ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا نظام خلافت قائم کرنے والوں کو جان لینا چاہئے کہ ایسا نظام لانے کا ایک ہی راز، ایک ہی فارمولہ اور ایک ہی نسخہ کیا ہے کہ نصرتِ امیرِ دی کو کما کر اپنے شامل حال کیا جائے۔ یہی راستہ ہے جو ہر نبی نے اختیار کیا اور یہی راستہ ہے جو خود رسول ﷺ نے اختیار کیا۔ آئیں دیکھیں نبی کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے نصرتِ امیرِ دی کو کیسے نکالا۔ نصرتِ امیرِ دی کو کمانے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اسے نہیں سمجھا جاسکتا جب تک دورِ نبوت کے فطری دوا و دار کی نوعیت و مینت کو نہ سمجھا جائے۔ دورِ نبوت مکی دورِ نبوت اور مدنی دورِ نبوت یعنی دونوں ایام ادوار میں منقسم ہے۔ ہر دور میں مازل ہونے والی وحی کی نوعیت، طرزِ کار اور طرزِ پیش رفت مختلف ہے۔ وہ صرف ایک ہے۔ مکی دورِ نبوت کے اختتام پر مدینہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم ہو گئی جس کے سربراہ خود نبی رحمت ﷺ تھے۔ بچے جب پیدا ہوتا ہے تو چھوٹا سا ہی ہوتا ہے لیکن اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں جو اس کے بڑے ہونے پر اجاگر ہوتے ہیں۔ مدینہ میں قائم ہونے والی یہ ریاست چھوٹی تو تھی لیکن اس میں بھی وہ تمام اوصاف موجود تھے جو اس وقت ظاہر ہوئے جب اسلامی مملکت کی سرحدیں دنیا کے کناروں کو چھو نے لگیں۔ مکی دورِ نبوت کے اختتام پر جب ایک اسلامی ریاست دنیا کی بڑی بڑی ریاستوں کے مقابلے میں معرضِ وجود میں آ گئی تو جیسا کہ اوپر بیان ہوا طرزِ وحی، طرزِ کار، طرزِ پیش رفت غرضیکہ ہر چیز بدل گئی۔ اسلام والوں کو تنکس فی الارض حاصل ہو گیا جس کا نہیں ثبوت یہ ہے

کہ نماز کے لئے پہلی مسجد مدینہ پہنچے ہی نبیؐ کو ۴ روزہ حج سب مدینہ پہنچ کر اپنی اصلی حالت میں نمودار ہوئے۔ قرآن پڑھ دیتا ہے یہ نمودار ہوتے ہی اس وقت ہیں جب تمکس فی الارض حاصل ہو اور نظام خلافت معرض وجود میں آجائے۔ جب یہ مرحلہ کی دو ربوبت کا ختام پر وقوع پذیر ہوا تو مطلب صاف ظاہر ہے کہ کی دو ربوبت قیام خلافت کا دور ہے یعنی وہ دور جس کے نتیجے کے طور پر خلافت قائم ہوئی تو مدنی دو ربوبت اور دو ربخلافت راشدہ دوام خلافت کے ادوار ہیں۔ یعنی وہ ادوار جن میں قائم شدہ خلافت کو وسعت اور استحکام حاصل ہوا۔ دو رب دوام خلافت میں اس لئے غزوات کا راستہ اختیار کرنا پڑا کہ اس میں غلبہ دین کا عنصر آگیا اور غلبہ دین ممکن ہی نہیں ہوتا بغیر قتال اور تصادم کے (انفال: 39)۔

وقت کے اس موڑ پر جس سے ہم آج کے مسلمان گذر رہے ہیں ہمیں قیام خلافت کا مسئلہ درپیش ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ مسنون طریقہ قیام خلافت کا وہی ہے جو رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے مکہ میں اختیار کیا۔ یہ مسنون طریقہ جس کو اختیار کئے بغیر نصرتِ ایزدی حاصل نہیں ہوتی وہی ہے جو بچہ پیدا ہونے کے چند گھنٹوں بعد پہلے اس کے دائیں کان اور پھر بائیں کان میں سمجھا دیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ طریقہ مضر ہے اس چھوٹے سے جملے میں کہ ”لا الہ الا اللہ“ یعنی طاغوت کا انکار تو اللہ کا اقرار۔ رسول اللہ ﷺ نے جماعت تیار کر کے دو کام کئے یعنی جس نظام کو بدلنا تھا اس کا حصہ بننے سے انکار کر دیا (لا الہ) اور جس نظام کو لا تھا اس کی دعوت دی (لا اللہ)۔ پھر دو ربوبت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ باندھ دیئے (نساء: 77) انہیں کسی کو تھپڑ مارنے کی تو کیا ترش کلائی کی اجازت نہ تھی۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند تھے ان کے مخالفین تو ایسی کسی قدغن کے پابند نہ تھے۔ انہوں نے نظام خلافت قائم کرنے والوں کو وہ اذیتیں دیں کہ ایک وقت نہ صرف صحابہؓ خود رسول اللہ ﷺ پر کراٹھے ”معتیٰ نصر اللہ“ اسے اللہ کہاں ہے تیری نصرت (بقرہ: 214) نظام خلافت قائم کرنے کا یہ طریقہ کہ جس نظام کو بدلنا ہے اس کا حصہ نہ بننا جائے اور جس نظام کو لا ہے اس کی دعوت دی جائے اور پھر یہ تمام سبھی مسلمانوں کی طرف سے بغیر کسی توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جلاؤ یعنی پرامن طریقہ سے ہو اللہ تعالیٰ کا وضع

کردہ اور رسول اللہ ﷺ کا آزمودہ ہے۔ اس سے نصرت ایزدی آئی، بلکہ مذکورہ آیت میں جس میں یہ آیا کہ ”مٹی نصر اللہ“ اسی میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ”الا ان نصر اللہ قریب“ بتایا گیا ”ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔“

قرآن مجید عند یہ دیتا ہے کہ دو طرح کے افراد کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی نصرت واجب کر لیتا ہے۔ ایک وہ جن پر ظلم ہوا ہو۔ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ افراد جو اللہ کی راہ میں اس کے دین کی سربلندی کے لئے تن من و دھن لگا دیں۔ قرآن میں آیا ”ان نصرہ اللہ۔ مصر کم“ اگر تم میری مدد کرو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ دو ربوبت میں جو مسلمان نظام خلافت کو قائم کرنے کے درپے ہوئے ان سے نصرت ایزدی کمانے کے یہ دونوں لوازم پورے ہو گئے۔ ظلم تو ان پر ہوا ہی تھا۔ جن کی وجہ خیر خواہی چاہتے تھے، وہ انہیں مارتے تھے حتیٰ کہ کئی بار ان چند مسلمانوں کو کھریار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ چنانچہ ان کی مظلوموں کی مدد کا بعد میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے خود ذکر کیا ”فرمایا:“ اجازت دے دی گئی (قال کی) ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ماقبال دینے گئے اس تصور پر کہ وہ کہتے تھے ”ہمارا رب اللہ ہے“ (حج: 39)۔

اللہ تعالیٰ نے کئی دو ربوبت کے مسلمانوں کا ایک اور انداز سے بھی ذکر کیا۔ فرمایا: ”یا ذکر وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں تم کو لوگ مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں، چھارزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو“ (انفال: 36)۔

تو ایک تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اس لئے کئی دو ربوبت کے مسلمانوں کے ساتھ ہو گئی کہ وہ مظلوم تھے اور دوسرے اس لئے کہ انہوں نے تن من و دھن لگا کر ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت جیسے کہ ”ان نصرہ اللہ۔ مصر کم“ میں بیان ہوا کے مستحق ہیں۔ دس ہشت تک تو اس مدد کے کہیں آقا نظر نہ آئے۔ مکہ میں وال گئی نظر نہ آئی دیکھ کر جب نبی کا نکاح ﷺ طائف تشریف لے گئے اور اس دھرتی پر ان کا اپنا خون گرا تو وہ مدد رک نہ سکی۔ چھم چھم برسی، ہوا کا رخ تو اسی سال

ہل گیا۔ خود رسول ﷺ اسی سال معراج پر گئے۔ پھر مدینہ سے فوداً نے شروع ہوئے حتیٰ کہ ایک وقت پر آپ بطور سربراہ مملکت مدینہ میں داخل ہوئے۔ میدان بدر میں جس نصرتِ امیرِ دی کا اظہار ہوا وہ اس وقت آئی جب تقریباً پندرہ سالہ جدوجہد کی وجہ سے مسلمان تھک بارپکے تھے۔ مدد کے لئے پہل مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ فتح کے لئے جو کی تھی اللہ تعالیٰ نے پوری کردی۔ تاریخ انسانی میں غالباً پہلی بار اللہ تعالیٰ یوں جیسے خود مظلوم، متبع اور بے ساز و سامان مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ قرآن میں آیا:

”حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے (وہ منہی بھر ریت) نہ بھینکی بلکہ اللہ نے بھینکی“ (انفال: 17)۔

غزوہ بدر کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا ایک اور طریقہ سے ذکر کیا۔ فرمایا:

”لوگوں کیلئے ان دو گروہوں میں نشانِ جبرت ہے جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے انکشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دو چند ہے مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ دیدہ بیا رکھنے والوں کیلئے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی شمولیت و نصرت کی مزید بات کھولی تو کفار و شرکین کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”تمہاری جمعیت خواہ کتنی زیادہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ اس لئے کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے“ (انفال: 19)۔

تو یہ ہے مسنون طریقہ نظام خلافت قائم کرنے کا۔ آج بھی آج سے سو سال بعد بھی غرضیکہ جب بھی قیام خلافت کے دور میں ”ہاتھ بندھے“ قال کا کوئی سوال نہیں لیکن دوام خلافت کے دور میں قال کے بغیر بات معنی نہیں اس لئے کہ وہاں پر غلبہ دین کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ جسے ہمائے نظاموں کا قلع قمع کرنا ہوتا ہے۔ لاتوں کے بجوت باتوں سے کب مانتے ہیں؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نصرت تو برہنہ کو حاصل ہوتی ہے لیکن نظام خلافت کا حصہ

قائم کر سکے تو پوری تاریخ میں صرف نبی آخر الزماں ﷺ۔ ایسے حضرات دو بڑی بڑی باتیں بھول جاتے ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کی سوچ سے یہ تصور بھرتا ہے کہ جیسے پہلے انبیاء کا کام تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کام قرا نہیں دیا۔ بلکہ بعض کو تو بجا ننگ دلی کامیاب قرار دیا۔ حضرت ابراہیم کو ہی لے لیں۔ انہوں نے کوئی نظام تو قائم نہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ”امام الناس“ قرار دیتا ہے۔ بعد میں جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے انہی کی نسل سے ہوئے۔ مراسم حج اور خود ہماری نماز میں ان کی عظمت کو دہرایا جاتا ہے۔ اصل میں دین حق کو غالب کرنا سابق انبیاء و رسل کے ایجنڈے میں تھا ہی نہیں۔ رسول ﷺ کو سونے گئے فرائض میں تو غلبہ دین کے حصول کا عنصر اس قدر نمایاں کہ قرآن مجید میں اسے تین دفعہ دہرایا گیا لیکن کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا کوئی الٰہی حکم نہیں ملا۔ ہاں امت مسلمہ کے فرائض میں بھی یہ فرض شامل ہے۔ قرآن میں آیا:

”اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ قتل باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے“ (انفال: 39)۔

جیسے کہ ہم نے اوپر ذکر کیا دوام خلافت کے دور میں چونکہ غلبہ دین کا مرحلہ ہوتا ہے اس لئے تاریخ انسانی میں قتال کی اجازت دی گئی تو رسول اللہ ﷺ کو امت مسلمہ کو۔

یہ حضرات یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ نصرت ایزدی کے بغیر فتح کا سوچنا خود قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ کتاب اللہ میں جہاں جہاں ”فتح“ کا ذکر آیا ہے اکثر و بیشتر اس سے پہلے ”نصر اللہ“ کا ذکر آیا ہے۔ سورہ صف میں آیا ”اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی ﷺ! ہل ایمان کو بنا رت دے دو“۔ سورہ نصر کے توام سے ہی پوری بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

”جب اللہ کی نصرت آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوت درفوت اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ ہذا تو یہ قبول کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا خود یہ فرمانا کہ ”اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں

(آل عمران: 160) اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فریاد کرنا کہ ”کہاں ہے اے اللہ تیری نصرت“ سے ظاہر ہے کہ مسنون طریق انقلاب میں حصول نصرت ایز دی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پہلے انبیاء رسل کو بھی اپنے دائرہ ذمہ داری میں جب کامیابی ہوئی تو اسی وقت جب انہوں نے نصرت ایز دی کو کمایا۔ حضرت ابراہیم نے اس نصرت کو آگ کے شعلوں میں پایا۔ حضرت یونس نے اسی نصرت کو مچھلی کے پیٹ کے اندھیروں میں پایا۔ حضرت یوسف نے اسے اندھے کنویں میں پایا۔ موسیٰ نے دریا کی لہروں میں پھر فرعون کے گھر میں پھر جادوگروں کے زخموں میں اور بالآخر سمندر کی طوفانی لہروں میں پایا۔ اور تو اور اصحاب کہف نے اسے غار کی تنہائیوں میں پایا۔ سو بات کی ایک بات! حصول نصرت ایز دی کو مسنون طریق انقلاب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جو یہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ کامیاب اور جو اسے حاصل نہ کر پایا وہ ناکام و نامراد۔

ایک اور اہم بات جس کا ذکر کیے بغیر طریق انقلاب نبوی ﷺ تشریح نہیں کیا جائے گا۔ جب مکہ و مدینہ میں قیام و دوام خلافت کی جدوجہد ہو رہی تھی تو متوازاں قرآن مجید کی تنزیل و نفاذ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ جب قیام و دوام خلافت کی جدوجہد اس لیے ختم ہو گئی کہ قرآن مجید کا مکمل نفاذ ہو گیا تو تنزیل وحی کا سلسلہ درج ذیل الفاظ کے ساتھ منقطع کر دیا گیا:

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے“ (مائیدہ: 3)۔

آج قرآن مجید اور اسوۂ رسول ﷺ مکمل شکل میں ہمارے ہاں موجود ہیں بنا بریں آج یا کسی وقت بھی قیام و دوام خلافت کے ادوار مکمل ہو گئے تو ایک ہی صورت میں کہ قرآن و سنت ہی کو انہیں زندگی بنایا جائے نہ کہ کسی خود ساختہ کتابچے کو۔ ہمارے ہاں مذکورہ پر امن عوامی تحریک کے ذریعے نظام باطل کو اس قدر مجبور کر دیا جائے کہ وہ قرآن و سنت کو ہی انہیں مملکت قرار دے۔ تربیت یافتہ باقحوں (Elite Power) سے قرآن و سنت انہیں مملکت قرار پائے گا تو دور خلافت راشدہ کا سا نظام اسی طرح از خود اس دھرتی کا مقدر بن جائے گا جس طرح دور خلافت راشدہ میں بنا۔ صحیح بیج سے صحیح فصل پیدا ہوگی۔